سوال و جواب

دین اور شریعت

ملی ساجد صاحب نے ماڈل ٹاؤن لاہور سے دریافت فرمایا ہے کہ دین اور شریعت میں کیا فرق ہے نیز دین اور شریعت میں ضرورۃً کبھی کوئی تبدیلی ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اس سوال کا مختصر جواب درج ذیل ہے۔ مزید تفصیلات ادارۂ ہذا کی شائع کردہ کتاب "الدّین یُسْر" میں ملیں گی:

اس فرق کو آسان لفظوں میں یوں ادا کیا جاسکتا ہے کہ زندگی کے وہ بنیادی حقائق و اصول جو قانونِ فطرت کی طرح غیر متبدل اور اٹل ہوتے ہیں وہی دین ہیں جن کو آجکل کی اصطلاح میں اقدارِ حیات (ETERNAL VALUES) کہتے ہیں یہ ایک مجرد یعنی ذہنی اور معنوی شے ہے یہی چیز جب محسوسات میں جلوہ گر ہوتی ہے تو اس مشہود شکل و صورت کو شریعت کہتے ہیں یہ دراصل ایک ڈھانچہ اور ایک پیکر ہے جس کو وہ معنویت اختیار کرلیتی ہے۔ اس حقیقت کو ایک مثال سے یوں سمجھا جاسکتا ہے۔ کہ اللہ نے نماز کا حکم دیا ہے اور بار بار دیا ہے ظاہر ہے کہ یہ محض ایک ذہنی حکم نہیں بلکہ یہ کوئی مشہود و محسوس شکل و صورت بھی چاہتا ہے اس حکم کی روح ہے "اظہارِ عبودیت" (جو اوقاتِ پنجگانہ سے شروع ہو کر پوری زندگی پر پھیل جاتا ہے) یہ اظہارِ بندگی تو ہے دین اور اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں لیکن یہ نماز جب کوئی شکل اختیار کریگی تو وہ مجموعہ ہوگا چند ارادات و حرکات و کلمات کا یہی مجموعی شکلِ نماز شریعت ہے اس کے دوسرے شرائط و متعلقات سے بھی اس وقت بحث نہیں۔ کہنا یہ ہے کہ یہ شکل (FORM) بلا شبہ ایک شریعت ہے لیکن یہ دین ــــ مثلاً اظہارِ عبودیت کی طرح غیر متبدل نہیں بلکہ احوال و ظروف اختلافِ زمان و مکان صلاحیتِ ادا اور دوسرے انفرادی و اجتماعی حالات کا جیسا بھی تقاضا ہوگا اسی کے مطابق اس شریعت ـــ ادائے طریقۂ نماز میں بھی تبدیلی واقع ہوجائے گی۔ یہ نماز کبھی کھڑے ہو کر ادا کی جاتی ہے اور کبھی بیٹھ کر اور کبھی لیٹ کر کبھی کھڑے کھڑے اور کبھی سواری کی پشت پر۔ کبھی ایک جگہ جم کر اور کبھی چلتے چلتے بھی۔ کبھی پوری چار رکعتیں کبھی دو رکعتیں اور کبھی صرف ایک رکعت۔ کبھی ماثورہ کلمات کے ساتھ اور کبھی اپنے الفاظ میں کبھی رو بقبلہ ہو کر اور بلا تعیین جہت ـــ دین یعنی اظہارِ عبودیت سب میں یکساں درجہ رکھتا ہے اور اس میں تغیر و تبدل کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا لیکن شریعت یعنی طریق ادا اپنے وقتی تقاضوں کے مطابق ہر جگہ ہیأت و شکل بدلتا رہتا ہے اور اس تبدیلی سے اصل دین کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ یہ مثال ہم نے دین کے سب سے زیادہ اہم رکن کی دی ہے اس پر پورے دینی نظام کو قیاس کرلینا کچھ مشکل نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ دین اصل اقدارِ حیات کے لحاظ سے تو کلمات

اللہ یا خلق اللہ (Law of nature) کی طرح غیر متبدل ہے اور شریعت ایسا متحرک قانون ہے جو صرف مجبورانہ احوال و ظروف کے تقاضوں سے نہیں بلکہ منزلِ ارتقا کی طرف بڑھنے کے لئے بھی اپنی شکل بدلتا رہتا ہے غرض دین متبدل نہیں اور شریعت جامد نہیں مندرجہ ذیل آیت قرآنی میں دین کی یہی حقیقت بیان کی گئی ہے:

فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللہ ، ذالک الدین القیم و لکن اکثر الناس لا یعلمون ٥

اللہ کی اس فطرت پر غور کرو جس پر اس نے انسان کو خلق کیا ہے۔ اللہ کے قانونِ خلق میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا دین قیم کی بھی یہی حقیقت ہے لیکن بہت سے لوگ اتنی سی بات کو بھی نہیں سمجھتے۔

قرآن کے ارشاد کے متعلق یہی "دینِ اسلام" ہے اور یہ تمام انبیاء علیہم السلام کا واحد مشترک دین ہے لیکن شریعتیں سب کی الگ الگ ہیں ان تمام شریعتوں کے اختلاف کے باوجود روح سب کی ایک ہی ہے اور ناقابلِ تبدیل ہے فرق یہ ہے کہ پہلے ایک پیغمبر کی شریعت میں دوسرا پیغمبر ہی تبدیلیاں کیا کرتا تھا اور اب نبوت ختم ہوچکنے کے بعد یہ تبدیلیاں اہلِ حل و عقد کریں گے۔ غالباً اسی حقیقت کو حضورؐ نے یوں بیان فرمایا ہے کہ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔ (میری اُمت کے اہل علم بنی اسرائیل کے انبیاء کی مانند ہیں) اس حدیث کی سند خواہ کیسی ہی ہو لیکن زیر بحث نقطۂ نگاہ سے اس کا مضمون بہت صحیح ہے

ایک غلط فہمی کا ازالہ یہ واضح رہے کہ قانونِ شریعت کے متبدل ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ جس کا جی چاہے کسی قانون کو اپنی مرضی سے بدل دے۔ اس کے لئے بہت سی شرائط ہیں جب تک وہ تمام اسباب موجود نہ ہوں جو تبدیلی کا تقاضا کرتے ہوں، اس وقت تک ہر قانونِ شریعت کو باقی رکھنا ہوگا۔ تبدیلی اسی وقت ہوگی جب زمان و مکان کے اختلاف نے کوئی مجبوری پیدا کردی ہو عہد رسالت کے فیصلوں کو خلافت راشدہ میں بضرورت بدلنے کی ایک دو نہیں بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔ ہر دور کے نئے نئے تقاضے ہوتے ہیں اور شریعت میں ان کی رعایت ملحوظ رکھی جاتی ہے اگر اس تبدیلی کو ختم کردیا جائے تو شریعت جامد ہو کر رہ جائے گی اور شریعت کو جامد ماننا ایسی ہی غلطی ہے جیسی غلطی دین کو متبدل ماننا خدا جانے کہاں سے اور کیسے یہ مثل بن گئی کہ "موسیٰ بدینِ خود و عیسیٰ بدینِ خود"۔ دین تو دونوں کا بلکہ سارے پیغمبروں کا ایک ہی ہے البتہ شریعتیں مختلف ہیں۔ یہ مثل غالباً ایسے شخص نے ایجاد کی ہے جس کی نگاہوں سے دین اور شریعت کا فرق اوجھل تھا۔

گنجائش رد و بدل کیوں رکھی گئی یہ گنجائشِ تبدیلی (شریعت میں) صرف اس لئے رکھی گئی ہے کہ دین کو یُسر بنانا مقصود تھا اگر شریعت عُسر ہو تو دین بھی عُسر ہو جاتا ہے اور وہ یُسر ہو تو یہ بھی یُسر ہوتا ہے دین کی روح باقی رہے تو شریعت کے اشکال و صُور میں تبدیلی سے کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ لیکن اگر شریعت ہر حال میں غیر متبدل اور جامد رہے تو دین سراسر عُسر ہو جائے گا قانون (شریعت) کا تو مقصد ہی زندگی میں آسانیاں پیدا کرنا ہے وہ قانون ہی کیا ہوا جو زندگی میں دشواریاں مشکلات اور صعوبتیں پیدا کرے و کسی انسانی ہی فائدے کے لئے مردار کو حرام کیا گیا۔ ہے یہ ایک شریعت یعنی قانون ہے لیکن ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جبکہ کسی

انسان کا مفاد مردار خوری ہی سے وابستہ ہو جاتا ہے۔ اگر حالتِ اضطرار پیدا ہو جائے اور اس مردار کے سوا اور کوئی شے کھانے کو موجود نہ ہو تو انسانی جان بچانے کے لئے وہ قانونِ حرمت حلت سے بدل جاتا ہے اگر یہ قانون غیر متبدل ہوتا اور مردار ہر حال میں حرام ہوتا تو یقیناً یہ ایک عسر ہوتا یہ محض اجازتِ تبدیلی ہے جس نے اسے یسر بنا دیا ہے لیکن دین — جو اس موقع پر انسانی مفاد ہی کا دوسرا نام ہے — دونوں صورتوں میں غیر متبدل ہے شریعت اگر بدل جائے مگر اس میں روح باقی رہے تو یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ شریعت تو علیٰ حالہا باقی رہے لیکن روح ختم ہو جائے۔

یُسر کے علاوہ حکمت بھی اسی کی متقاضی ہے کہ اعلیٰ و اصلی مقصد تو ہر حال میں باقی رہے اور اس کے حصول کے طریقے بدلتے رہیں۔ یعنی جب اور جس طریقے سے انسانی مفاد وابستہ ہو وہی اختیار کیا جائے۔ حلال گوشت انسان کے لئے بنایا گیا ہے وہ جب چاہے کھا سکتا ہے لیکن ایک وقت ایسا بھی آ سکتا ہے جب اسے عارضی طور پر — اور بعض اوقات مدۃ العمر کے لئے — گوشت کھانے سے روک دیا جائے۔ شریعت وہ بھی ہے اور شریعت یہ بھی۔ شکلیں دونوں کی بدلی ہوئی ہیں لیکن دونوں کی روح (دین) ایک ہی ہے اور وہ ہے انسان کا مفادِ جسمانی۔ اسی طرح سمجھئے کہ روزہ مسلمان پر واجب ہے لیکن ایک موقع ایسا بھی آ سکتا ہے جبکہ اس سے روزہ تڑوا یا چھڑوا دیا جائے۔ شریعت وہ بھی ہے اور یہ بھی صورتیں دونوں کی مختلف بلکہ متضاد ہیں لیکن دین ایک ہی ہے اور وہ ہے مفادِ انسانی کا قیام۔

مذکورہ انفرادی مسائل کی طرح اجتماعی مسائل بھی ہیں۔ جن کا تعلق پورے معاشرے سے ہوتا ہے ایک وقت ایک مسئلہ قانونی پوری قوم کے لئے مفید ہوتا ہے اور دوسرے وقت اسی کو ترک کرنا یا بدل دینا ضروری ہوتا ہے مقصد دونوں کا ایک ہی ہے یعنی معاشرۂ انسانی کے مفاد کو برقرار رکھنا۔

قیاس کا مقام اس موقع پر آپ صرف یہ شبہہ پیش کر سکتے ہیں کہ "ضرورۃ" تبدیلیِ قانون تو ٹھیک ہے لیکن صرف اتنی ہی اور اسی قسم کی تبدیلی کرنی چاہیئے جس کا ثبوت ملتا ہو مردار کے جواز کا یا روزہ چھڑانے کا ثبوت چونکہ ملتا ہے اس لئے اتنا بھر تو ٹھیک ہے لیکن اس سے آگے جہاں کوئی ثبوت نہ ملتا ہو وہاں خواہ کیسی ہی شدید ضرورت ہو تبدیلی نہ کرنی چاہئے" — لیکن یہ شبہہ خود ہی ایک قسم کا جمود ہے جو اصول فقہ کی چوتھی کڑی — قیاس — کو بالکل ختم کر دیتا ہے۔ یہ کوئی ضروری نہیں کہ قرونِ اولیٰ میں بھی وہ تمام حالات و مقتضیات لازماً پیش آئے ہوں۔ جو ہر نئے دور میں پیدا ہوتے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ زمانے کے نت نئے مسائل کو پیدا ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا ایسے نئے مسائل زندگی میں حضرت امیر المومنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما کا فرمان ہمارے لئے بہترین رہبر ہے یہ ایک تحریر ہے جو آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو قضا کے متعلق یوں لکھ بھیجی تھی:

الفهم الفهم فيما اختلج في صدرك مما لم يبلغك في الكتاب والسنة واعرف الامثال و الاشباه ثم قس الامور عند ذلك (رواه الدارقطنی)

جو مسئلہ تمہیں کتاب و سنت میں نہ ملے اور تمہیں اس کی بابت تردد ہو تو اس پر غور کرو اور اچھی طرح غور کرو اور اس سے ملتے جلتے مسائل پر اسے قیاس کرو۔

قابلِ لحاظ اقدار اس اصول کے مطابق صرف اتنا ہی نہیں ہوگا۔ کہ اگر نظائر ملیں تو قیاس کر لیا جائے ورنہ چھوڑ دیا جائے اگر نظائر نہ مل سکیں تو عدل و رحمت اور مصالح و حکمت کا جو تقاضا ہوگا وہ پورا کر لیا جائیگا عمواس میں جب وبائے طاعون پھیلی تو حضرت عمرؓ نے فیصلہ دیا کہ لوگ مقام وبا کی طرف نہ جائیں (شیخین۔ موطا۔ ابوداؤد) اس وقت تک حضرت عمرؓ کو یہ قطعی معلوم نہ تھا کہ کتاب یا سنت میں اس کے متعلق کیا حکم ہے بس فقط مصالح امت کا ایک عقلی تقاضا تھا جس کی بنا پر آپ نے یہ فیصلہ فرمایا تھا۔ اسی کا نام حکمت ہے اور یہ حسنِ اتفاق تھا کہ عبدالرحمان بن عوف نے بعد میں اس کی تائید میں ایک حدیث بھی سنا دی اور حضرت عمرؓ نے اس موافقت پر شکرِ الٰہی ادا کیا ۔ مطلب یہ ہے کہ ہر ہر موقع پر کسی مقیس علیہ کا ہونا ضروری نہیں ۔ صرف مصلحت و حکمت اور عدل و رحمت کے تقاضوں کو پورا کرنا کافی ہے اللہ کے رسول نے ہمیں صرف کتاب اللہ ہی کی تعلیم نہیں دی ہے ۔ بلکہ "حکمت" بھی سکھائی ہے اور ظاہر ہے کہ ہر موقع پر حکمت ایک ہی حکم نہیں لگاتی۔ شریعت صرف ان ہی احکام کا نام نہیں جو کتابوں میں لکھے جا چکے بلکہ زمان و مکان اور دوسرے احوال و ظروف کے تقاضوں سے کسی حکم کو بدل دینا بھی شریعت ہی میں داخل ہے

قانون سازی کا حق موجودہ دور میں ایک عام ہوا چلی ہے کہ "انسانوں کو قانون سازی کا حق نہیں" اگر اس قانون سے مراد حدودِ الٰہیہ ہیں تو یہ نظریہ درست تسلیم کیا جا سکتا ہے وہ بھی ایک حد تک لیکن اگر قانون کا مقصد Bye Laws ہے تو یہ دعویٰ بالکل درست نہیں اس تصور کو یوں ادا کرنا ہمارے نزدیک زیادہ درست ہے کہ "دین سازی کا انسان کو اختیار نہیں اور قانون سازی کا اختیار ہے" جس دین کا نام "اسلام" ہے وہ کوئی متعین اور غیر متبدل شکل و صورت (FORM) نہیں بلکہ وہ صرف ایک اعلیٰ مرکزی رجحان (ATTITUDE) ہے اس رجحان کی جو تشکیل عہد رسالت میں ہوئی یا خلافت راشدہ تک رہی اس سے بہتر تشکیل اُس ماحول میں ممکن ہی نہ تھی۔ لیکن کسے کون نہیں جانتا کہ عہد رسالت کے بہت سے وقتی فیصلے خود عہدِ رسالت ہی میں بدلے گئے اور حضور کے بعد بہتیری چیزیں عہدِ رسالت کی تبدیل کر دی گئیں یہ تبدیلیاں شرعی تبدیلیاں تھیں دینی نہ تھیں ۔ یہ تبدیلیاں خود بتاتی ہیں کہ کسی ضرورت کے پیش نظر تبدیلِ قانون بھی قانونِ شریعت ہی ہے۔ بشرطیکہ اس تبدیلی ہی میں "خیر" ہو جو اصل رجحانِ دین ہے۔

ہمارے معاشرے کو آج جتنی ذہنی پیچیدگیاں، دقتیں، مشکلیں پیش آ رہی ہیں اس کا سبب اصلی صرف یہ ہے کہ دین اور شریعت دونوں کو یکساں غیر متبدل اقدار تصور کر لیا گیا ہے۔ یہی عسر کا اصلی سبب ہے۔ دین کی حکمت، رحمت، عدل اور یسر سب کچھ اس پر موقوف ہے۔ کہ شریعت میں جو توسّع و تیسّر رکھا گیا ہے اسے آج بھی اور آئندہ بھی باقی رکھا جائے اور اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔

چند مثالیں یہ ہو سکتا ہے کہ کسی دور میں جاگیرداری اجتماعی مفادات کے لئے مضر نہ ہو اُس وقت جاگیرداری کو باقی رہنے دینا ہی شریعت ہوگا لیکن یہ عین ممکن ہے کہ دوسرے دور میں جاگیرداری معاشرت کے لئے سمِ قاتل ہو اس وقت اس کلیۃً ختم کر دینا ہی عین شریعت ہوگا۔

اسی طرح یہ ممکن ہے کہ ایک دور میں تعدد ازدواج ضروری ہو اُس وقت یہی شریعت ہوگا پھر کسی دوسرے دور میں یہ ممکن ہے کہ توحّد ازدواج ہی شریعت قرار پائے۔ شریعت مستقلہ نہ وہ ہے نہ یہ۔ وہ بھی متبدّل تھی اور یہ بھی متبدل ہوگی۔

یوں ہی غلامی کا رواج ایک دور میں شریعت کا جائز قانون ہو سکتا ہے اور دوسرے دَور میں اسے ختم کر دینا ہی شریعت ہوگا جس دور میں جونسی شکل "خیر غالب" کا پہلو رکھتی ہوگی وہی شریعت ہوگی۔

پھر ان ساری باتوں میں اس پر بھی نظر رکھنی ضروری ہوگی کہ دینی رجحان کا اصل مرکز کیا ہے۔ اور ہماری وقتی شریعت (قانون) کا رُخ اسی طرف ہے یا نہیں؟ مثلاً ان ہی تین مثالوں میں دیکھئے۔ قرآن کا اصل رجحان ملکیتِ ذاتی اور جاگیرداری کو ختم کر دینا ہے ازدواج میں توحّد کو قائم کرنا ہے۔ اور غلامی کی رسم کو نیست و نابود کرنا ہے (ان سب مسائل کی بحثیں قدرے تفصیل سے آپ کو ادارہ کی کتاب "الدین یسر" میں جابجا ملیں گی) پس دین کے ان مرکزی رجحانات تک پہنچنے سے پہلے پہلے جو شرعی قانون بھی بنے گا۔ وہ عارضی ہوگا۔ اس میں ضرورت کے مطابق تبدیلیاں بھی ہوتی رہیں گی۔ البتہ یہ لحاظ ہر تبدیلی کے وقت رکھنا ہوگا کہ جس دور میں یہ تبدیلی ہو رہی ہے اس دور میں دین کے اصلی مرکزی رجحان کی طرف زیادہ سے زیادہ رُخ پھر رہا ہے۔

شرعی تبدیلیوں کی مثالیں ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ سرسری طور پر یہاں چند مثالیں شرعی تبدیلیوں کی پیش کر دیں ملاحظہ ہوں:

(۱) عہدِ رسالت میں شعرا اپنے کلام کی ابتدا عموماً تشبیب سے کیا کرتے تھے کعب بن مالک کی نعت (قصیدۂ بانت سعاد) ایک عورت "سعاد" کے ذکر سے یوں شروع ہوتا ہے کہ:

بانت سعاد و قلبی الیوم متبولُ

سعاد جدا ہو گئی اور آج میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

کعب کا یہ قصیدہ سب سے بہتر نعتِ نبویؐ شمار کیا جاتا ہے۔ لیکن سیدنا عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں کسی عورت کا نام لے کر تشبیب کرنے کو قطعاً روک دیا اور اس کے لئے کوڑوں کی سزا مقرر کی۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ اس قسم کی شاعری سے عوام میں حیوانی جذبات کے برانگیختہ ہونے کا خدشہ تھا۔ اسد الغابہ (تذکرۂ حمید بن ثورؓ) کے الفاظ یہ ہیں:

تقدم عمر بن الخطاب الی الشعراء ان لایتشبب احد بامرأة الاجلدته

حضرت عمر نے شعرا کو آگاہ کر دیا کہ جو شخص کسی عورت کا نام لے کر تشبیب کرے گا اسے کوڑوں کی سزا دونگا

(۲) جب قریش نے اسلام اور اہلِ اسلام کی اور خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہجویہ اشعار کہنے شروع

کئے تو حضور نے حسانؓ بن ثابت کو جوابی ہجو کی اجازت دی لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے دور میں یہ حکم جاری کیا کہ ان اشعار کو زبان پر نہ لایا جائے کیونکہ ان سے گذشتہ رنجشیں تازہ ہو جاتی ہیں۔ (اغانی تذکرہ حسان بن ثابت)

(۳) حضرت ابوبکر صدیق تک شرابی کی تعزیر چالیس دُرّے تھی حضرت عمر نے اسے اسیؐ کر دیا۔ اور حضرت عثمان نے دونوں ہی پر مختلف اوقات میں عمل کیا۔

(۴) حضرت صدیق اکبر کے عہد تک امّ ولد (جس لونڈی کے بطن سے اولاد ہو جائے) کی خرید و فروخت جائز تھی حضرت عمر نے اپنے دور میں اس خرید و فروخت کو روک دیا۔ کیونکہ قوانین غلامی کا اصلی مقصد تدریجی طور پر غلامی کی رسم کو ختم کر دینا ہی تھا۔

(۵) غزوۂ تبوک میں حضور نے ہر قیدی کا فدیہ ایک دینار مقرر فرمایا تھا لیکن حضرت عمرؓ نے مختلف ممالک میں مختلف شرحیں مقرر فرمائیں

(۶) حضور کے عہد میں بعض مفتوحہ زمینیں (مثلاً خیبر) مجاہدوں کو تقسیم کی گئیں لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں اسے ختم کر دیا۔ (کتاب الخراج)

(۷) حضور کے عہد سے لیکر عہد صدیقی تک "طلقات ثلث بیک مجلس" کو طلاق رجعی قرار دیا جاتا رہا لیکن حضرت عمر نے اپنے دور میں اسے طلاق مغلظہ قرار دیا۔

(۸) حلالہ کرنے والے اور کرانے والے کو حضور نے ملعون قرار دیا تھا اس کے لئے نہ قرآن میں کوئی حد ہے نہ حدیث میں کوئی تعزیر لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے دور میں اعلان فرمادیا کہ لا اوتی ولا بمحلل ولا محلل لہ الا رجمتہما حلالہ کرنے والے اور کرانے والے دونوں کو میں سنگسار کردوں گا۔

(۹) حضور نے کبھی پورے رمضان میں بیس رکعت اور وہ بھی باجماعت تراویح نہیں پڑھی دور صدیقی میں بھی اس کا ثبوت نہیں ملتا لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے دور میں اس کا باقاعدہ اہتمام فرمادیا اور وہ اب تک رائج ہے۔

(۱۰) حضور نے کاشت اجناس کی شرح خراج بالتفصیل نہیں بتائی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں بالتفصیل ہر جنس کے متعلق خراج کی شرح (کہ فلاں جنس میں فی جریب اتنا) متعین فرمائی۔

(۱۱) حضور نے یہ کبھی نہ فرمایا کہ کوئی عرب غلام نہیں بن سکتا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے رسم غلامی کو ختم کرنے کے لئے یہ پہلا قدم اٹھالیا۔

(۱۲) حضور کے عہد میں قرآنی نص کے مطابق مولفتہ القلوب کو صدقہ و زکوٰۃ دی جاتی تھی۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اسے ختم کرادیا

(۱۳) حضرت صدیق اکبر کے عہد تک غیر شادی شدہ کی سزائے زنا سو کوڑے کے ساتھ ملک بدری بھی تھی لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے دور میں ملک بدری کو روک دیا۔

(۱۴) حضرت عمرؓ کی تمام اولیات کو بھی جن کی تعداد کم و بیش نصف صد ہے اسی میں داخل سمجھنا چاہئے۔ مثلاً تجارتی گھوڑوں پر دریائی پیداوار (عنبر وغیرہ) پر زکوٰۃ قائم کرنا وغیرہ اسی طرح اور بھی بیسیوں فقہی مسائل ہیں۔

(۱۵) حضور سے لیکر حضرت عمرؓ کے عہد تک جمعہ کی ایک ہی اذان (قبل از خطبہ) ہوا کرتی تھی لیکن جب تمدن وسیع ہو گیا اور کاروبار تجارت میں خاصہ پھیلاؤ پیدا ہو گیا۔ تو حضرت عثمانؓ نے اپنے دور میں ایک اور اذان کا اضافہ فرمایا جو اب تک رائج ہے۔

(۱۶) حضرت عثمانؓ کے عہد تک زنِ کتابیہ سے نکاح کا رواج (اجازت قرآن کے مطابق) تھا۔ لیکن حضرت علیؓ نے اپنے عہد میں مسلمانوں کو بعض فتن کے اندیشے کی وجہ سے اس سے روک دیا۔

مثالیں کہاں تک پیش کی جائیں، مختصر یہ ہے کہ عبادات سے لے کر معاملات تک میں بیسیوں شرعی ترمیمات محض اس لئے ہوتی رہی ہیں۔ کہ تمدن کی وسعت کا، زمان و مکان کے اختلاف کا اور بدلتے ہوئے حالات کا تقاضا یہی تھا کہ بعض قانون میں ایسا ممکن واضافہ کیا جائے کہ اسکی شکل و صورت تو مختلف ہو جائے لیکن اس کی روح اور مقصد اسی طرح باقی رہے یہ ساری شرعی ترمیمات بھی داخل شریعت ہی تھیں پھر یہ بھی واضح رہے کہ ترمیمات کو ابدی اور غیر متبدل سمجھ لینا بھی ویسی ہی غلطی ہے جیسی اُن قوانین کو قبل از ترمیم ناقابلِ تبدیل سمجھنا یہ عمل واضافہ ہر دور میں ہو سکتا ہے جبکہ حالات اس کے متقاضی ہوں۔

ذرا دیر کے لئے بڑی سنجیدگی سے غیر جانبدار ہو کر غور فرمائیے کہ عہدِ رسالت سے بہتر دور اور جماعت صحابہ سے بہتر امت آسمان کی آنکھوں نے کبھی نہ دیکھی۔ وہ دور بھی انتہائی سادگی کا دور تھا۔ اس کے باوجود رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ہی تیس سال کے بہترین دور راشدہ میں بیسیوں شرعی ترمیمات ہوئیں۔ تو کیا اس کے بعد آج تیرہ صدیوں میں کبھی کسی شرعی ترمیم کی ضرورت نہ ہوئی ہوگی، درآں حالیکہ ہزاروں مسائل زندگی ایسے پیدا ہو گئے ہیں۔ جن کا کوئی پہلے وہم و گمان بھی نہیں کر سکتا تھا آج بیسیوں قدریں بدل گئیں۔ زمان و مکان کے نظرئیے تبدیل ہو گئے زمانہ سمٹ گیا۔ زمین سکڑ گئی سیاروں کے فاصلے اور سمندر کی گہرائیاں ناپ لی گئیں۔ برق و باد۔ اور آب و آواز کی رفتار نے اپنے پیمانے بتا دئیے زمین و آسمان نے اپنے مخفی خزانے اُگل دئیے کائنات کے بیشمار پوشیدہ راز انسانی قبضہ و تسخیر میں آگئے علوم و فنون نے اپنے دائرے وسیع تر کر دئیے اور تمدن و تہذیب نے ترقی کر وٹیں لے لیں۔ سائنس نے مُردوں کو زندہ کرنا شروع کر دیا اور ابھی "تیز تر گردو خرام روزگار" سوچئیے کیا آج ہمیں کسی شرعی گوشے میں کسی قسم کے تغیر و تبدل کی ضرورت نہیں یا تو یہ تسلیم کیجئے کہ ان مسائل زندگی سے شریعت کا کوئی تعلق نہیں لہٰذا مسائل زندگی خواہ کوئی سی صورت اختیار کریں لیکن شریعت جوں کی توں رہے گی یا پھر اس کے قائل ہو جائیے کہ حالات و مسائل کے تقاضے سے شرعی قوانین نئی شکل بدل سکتے ہیں پہلی صورت میں خلفائے راشدین کی شرعی ترمیمات کی توجیہ (JUSTIFICATION) میں شدید دشواریاں پیش آئیں گی۔ لہٰذا دوسری ہی شکل کو صحیح تسلیم کرنا چاہیئے جو ہمارا مدعا ہے ورنہ دین یسر نہیں رہ سکتا بلکہ سراسر عسر ہو جائے گا۔